

## سُنّت کی برکتیں

حضرت مولانا مفتی احمد الرحمن رحمہ اللہ

”سُنّت“ کے معنی طریقہ و عادت کے ہیں اور ہم جب سُنّت کا لفظ استعمال کرتے ہیں تو اس سے مراد ہوتا ہے ”آنحضرت ﷺ کا طریقہ زندگی“۔ امام راغب اصفہانی لکھتے ہیں:

”وَسُنَّةُ النَّبِيِّ ﷺ طَرِيقَتُهُ الَّتِي كَانَ يَتَحَرَّاهَا.“

(مفردات، ص: ۲۳۵)

ترجمہ: ”آنحضرت ﷺ کی سُنّت سے مراد ہے آپ ﷺ کا وہ طریقہ جس کو آپ ﷺ قصداً اختیار فرمایا کرتے تھے۔“

سُنّت کا یہ مفہوم بڑا وسیع اور جامع ہے اور پورا دین اور دین کے تمام شعبے اس کے اندر آ جاتے ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے کن عقائد کی تعلیم فرمائی؟ عبادات کیسے ادا فرمائی تھیں؟ معاملات و معاشرت میں آپ ﷺ کا طریقہ کیا تھا؟ سیاست و جہانبانی، صلح و جنگ اور فصلِ خصومات میں آپ ﷺ کا کیا انداز تھا؟ آپ ﷺ کی رفتار و گفتار، نشست و برخاست کیسی ہوتی تھی؟ کیسی شکل و شبہت اور لباس و پوشاک کو آپ ﷺ پسند یا ناپسند فرماتے تھے؟ الغرض عقائد ہوں یا عبادات، اخلاق ہوں یا معاملات، معاشرت ہو یا سیاست، زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں جس میں آنحضرت ﷺ کے نقشِ پا ثبت نہ ہوں اور آپ ﷺ نے اس میں اُمت کی رہنمائی نہ فرمائی ہو۔

### سُنّت کی عظمت و اہمیت

ہر مسلمان کو شاہراہِ حیات پر سفر کرتے ہوئے قدم قدم پر یہ دیکھنا ضروری ہے کہ اس معاملہ میں آنحضرت ﷺ کی سُنّت اور آپ ﷺ کا طریقہ کیا ہے؟ اس کے دلائل بے شمار ہیں، مگر میں یہاں صرف تین وجوہ کے ذکر پر اکتفا کروں گا:

اول: یہ کہ ہم آنحضرت ﷺ کے اُمتی ہیں۔ کلمہ طیبہ ”لا اِلهَ اِلاَّ اللہ محمد رسول اللہ“ پڑھ کر ہم آپ ﷺ کی رسالت و نبوت پر ایمان لائے ہیں اور ہم نے یہ عہد باندھا کہ ہم آپ ﷺ کے حکم اور ہر ارشاد کی تعمیل کریں گے۔ اس معاہدہ ایمانی کا تقاضا یہ ہے کہ ہماری تمام زندگی کا کوئی قدم منشائے نبوی ﷺ کے خلاف نہ اُٹھے اور ہماری تمام خواہشات سنت نبوی ﷺ کے تابع ہوں، کیونکہ اس کے بغیر ایمان کی تکمیل نہیں ہوتی۔ آنحضرت ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

”لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّىٰ يَكُونَ هُوَ تَابِعًا لِّمَا جِئْتُ بِهِ.“ (مشکوٰۃ: ص: ۳۰)

ترجمہ: ”تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا، یہاں تک کہ اس کی خواہش اُس دین کے تابع ہو جائے، جسے میں لے کر آیا ہوں۔“

پس آنحضرت ﷺ کے منصب رسالت و نبوت اور ہمارے اُمتی ہونے کا تقاضا ہے کہ ہم آنحضرت ﷺ کے طریقہ زندگی کو پورے طور پر اپنائیں اور کسی دوسرے طریقہ زندگی کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھیں۔ حق تعالیٰ شائے کا ارشاد ہے:

”وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُولٍ إِلَّا لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللَّهِ.“ (النساء: ۶۴)

ترجمہ: ”اور ہم نے جو رسول بھی بھیجا، صرف اسی لیے بھیجا کہ بحکم خداوندی اس کی فرمانبرداری کی جائے۔“

آپ ﷺ کی سنت اور آپ ﷺ کے طریقہ زندگی سے انحراف، ایک لحاظ سے گویا آپ ﷺ کی رسالت و نبوت کا انکار کر دینے کے ہم معنی ہے۔ صحیح بخاری میں آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے:

”كُلُّ أُمَّتِي يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ إِلَّا مَنْ أَبَى، قِيلَ وَمَنْ أَبَى؟ قَالَ مَنْ أَطَاعَنِي دَخَلَ الْجَنَّةَ، وَمَنْ عَصَانِي فَقَدْ أَبَى.“ (مشکوٰۃ: ص: ۲۷)

ترجمہ: ”میری اُمت کے سارے لوگ جنت میں داخل ہوں گے، سوائے اس کے جس نے انکار کر دیا، عرض کیا گیا: انکار کس نے کیا؟ فرمایا: جس نے میرا حکم مانا وہ جنت میں داخل ہوگا اور جس نے حکم عدولی کی، اس نے انکار کر دیا۔“

دوسری وجہ: یہ کہ آنحضرت ﷺ سے ہمارا تعلق محض قانون اور ضابطے کا نہیں، کیونکہ آپ ﷺ ہمارے محبوب بھی ہیں اور محبوب بھی ایسے کہ حسینانِ عالم میں کوئی بھی محبوبیت میں آپ ﷺ کی ہمسری نہیں کر سکتا، چنانچہ ارشاد ہے:

”لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّىٰ أَكُونَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنَ وَالِدِهِ وَوَلَدِهِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ.“

(منفق علیہ، مشکوٰۃ ص: ۱۲)

ترجمہ: ”تم میں سے كوئى شخص مومن نہیں ہو سكتا، یہاں تك كہ میں اس كے زردك اس كے باپ، اس كى اولاد اور سارے انسانوں سے زیادہ محبوب ہو جاؤں۔“  
اور محبت كا خاصہ یہ ہے كہ وہ محب كو اپنے محبوب كا ہم رنگ بنا دیتى ہے۔ كسى عاشق دل دادہ سے پوچھئے كہ اس كے زردك محبوب كى اداؤں كى كیا قدر و قیمت ہے اور وہ چال ڈھال اور رفتار و گفتار میں اپنے محبوب سے ہم رنگى و مشابہت كى كتنى كوشش كرتا ہے؟ آنحضرت ﷺ جب جان جہاں اور محبوب محبوبان عالم ہیں تو آپ ﷺ كے ايك سچے عاشق كو آپ ﷺ كى اداؤں پر كس قدر مرثنا چاہیے؟ ايك عارف فرماتے ہیں:  
پس جو لوگ آپ ﷺ كى سنت سے انحراف كر كے یہود و نصاریٰ كى سنت كو اپناتے ہیں، ان كا دعوائے محبت بے روح ہے:

تعصى الرسول وأنت تزعم حبه  
هذا لعمري في الزمان بدیع  
لو كنت صادقا في حبه لأطعته  
فإن المحب لمن يحب يطیع

ترجمہ: ”تم رسول اللہ ﷺ كى نافرمانى بھی كرتے ہو اور آپ ﷺ سے محبت كے بھی دعویدار ہو۔  
بجدا! یہ بات تو زمانے كے عجائبات میں سے ہے۔ اگر تم آپ ﷺ كى محبت میں سچے ہوتے تو  
آپ ﷺ كى بات ماننے، كیونكہ عاشق تو اپنے محبوب كا فرمانبردار ہوتا ہے۔“  
تیسرى وجہ: یہ كہ آنحضرت ﷺ خاتم النبیین ہیں اور قیامت تك كے لیے دنیا و آخرت كى كامیابى و كامرانى اور انسانیت كى فلاح و سعادت آپ ﷺ كے قدموں سے وابستہ كردى گئی ہے۔ اگر اس دنیا میں سعادت و كامیابى كے ايك سے زیادہ راستے ہوتے تو ہمیں اختیار ہوتا كہ جس راستے كو چاہیں اختیار كر لیں، لیكن یہاں ایسا نہیں، بلكہ ہدایت و سعادت، صلاح و فلاح اور كامیابى و كامرانى كا بس ايك ہی راستہ كھلا ہے اور وہ حضرت خاتم النبیین محمد رسول اللہ ﷺ كا راستہ ہے، اس راستہ كے علاوہ باقى تمام راستے بند كر دیئے گئے ہیں:

مپندار سعدى كہ راہ صفا  
تو ان رفت جز بر پئے مصطفیٰ

حضرت عمرؓ كا مشہور قصہ ہے كہ وہ ايك بار یہودیوں كے بیت المدراس تشریف لے گئے اور وہاں سے تورات كے چند اوراق اٹھالائے اور انہیں آنحضرت ﷺ كى خدمت میں پڑھنا شروع كیا۔ آنحضرت ﷺ كے چہرہ انور كا رنگ بدلنے لگا۔ حضرت ابو بكرؓ كے توجہ دلانے پر انہوں نے آنحضرت ﷺ كے چہرہ انور كا رنگ

دیکھا تو اوراقِ لپیٹ کر رکھ دیئے، اور یہ کہنا شروع کیا:

”أعوذ بالله من غضب الله وغضب رسوله، رضيت بالله ربا، وبالإسلام ديناً وبمحمد نبياً.“

ترجمہ: ”میں اللہ کی پناہ چاہتا ہوں اللہ کے غضب سے اور اس کے رسول (ﷺ) کے غضب سے، میں اللہ تعالیٰ کو اپنا رب مان کر، اسلام کو اپنا دین مان کر اور محمد (ﷺ) کو اپنا نبی مان کر راضی ہوا۔“

آنحضرت (ﷺ) نے فرمایا:

”والذي نفس محمد بيده لو بدا لكم موسى فاتبعتموه وتركتموني لضللتهم عن سواء السبيل ولو كان حياً وأدرك نبوتي لاتبعني.“ (مشکوٰۃ ص: ۲۲۲)

ترجمہ: ”اس ذات کی قسم! جس کے قبضہ میں محمد (ﷺ) کی جان ہے، اگر حضرت موسیٰ (علیہ السلام) تمہارے سامنے آجائیں اور تم مجھے چھوڑ کر ان کی پیروی کرنے لگو تو سیدھے راستے سے بھٹک جاؤ گے اور اگر وہ زندہ ہوتے اور میری نبوت کا زمانہ پاتے تو وہ خود میری پیروی کرتے۔“

اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت میں یہ الفاظ ہیں:

”أمتهمو كون أنتم كما تهموكت اليهود والنصارى؟ لقد جئتمكم ببضاء نقية ولو كان موسى حياً ما وسعه إلا اتباعي.“ (مشکوٰۃ ص: ۳۰)

ترجمہ: ”کیا تم اسی طرح بھٹکا کرو گے جس طرح یہود و نصاریٰ بھٹک رہے ہیں؟! بخدا! میں تمہارے پاس روشن اور صاف ستھری شریعت لے کر آیا ہوں اور اگر حضرت موسیٰ (علیہ السلام) زندہ ہوتے تو ان کو بھی میری پیروی کے سوا چارہ نہ ہوتا۔“

تمام انبیاء کرام علیہم السلام اپنے اپنے دور میں ہدایت و سعادت کے سرچشمے تھے، لیکن آنحضرت (ﷺ) کی تشریف آوری کے بعد یہ تمام سرچشمے بند کر دیئے گئے اور ان پر خطِ تنسیخ کھینچ دیا گیا اور آنحضرت (ﷺ) کی سنت و طریقہ کے بجائے ان حضرات کی شریعت و طریقہ پر عمل کرنا بھی ضلالت و گمراہی قرار پائی۔ اس واقعہ سے ہمیں تین عظیم الشان سبق ملتے ہیں:

ایک: یہ کہ جب انبیاء گزشتہ کی پیروی بھی ہمارے لیے موجبِ فلاح و سعادت نہیں، بلکہ گمراہی و ضلالت ہے تو ان کی بھٹکی ہوئی قوموں کے نقشِ قدم پر چلنا فلاح و سعادت کا موجب کیونکر ہو سکتا ہے؟ اسی سے اندازہ کیجئے کہ آج کے مسلمان جو سنتِ نبوی (ﷺ) پر عمل پیرا ہونے کے بجائے یہود و نصاریٰ کی نقالی میں فخر

محسوس کرتے ہیں، وہ فلاح و سعادت سے کس قدر محروم ہیں اور ان کی ضلالت و گمراہی کس قدر لائقِ صدمہ قائم ہے۔ آج اُمتِ مسلمہ در بدر کی ٹھوکریں کھا رہی ہے، اس کا راز یہی ہے کہ اس نے اپنا قبلہ تبدیل کر لیا۔ وہ نبی رحمت ﷺ کے دامنِ رحمت سے کٹ کر وابستہٴ اغیار ہو گئی ہے۔ وہ آنحضرت ﷺ کے مقدس طریقہٴ زندگی کو چھوڑ کر گمراہ و مغضوب قوموں کے اختراع کردہ نظامہائے زندگی کی تاریکیوں میں بھٹک رہی ہے۔ اس نے آفتابِ مدینہ سے منہ موڑ کر مغرب کی ظلمتوں سے روشنی کی در یوزہ گری شروع کر دی ہے۔ انہوں نے اپنے آئینِ سیاست اور اپنے آدابِ معاشرت، اپنی شکل و صورت اور اپنی عقل و خرد کو یہود و نصاریٰ کے سانچے میں ڈھال لیا ہے۔ آج کسی مسلمان کی شکل و صورت، اس کے رہن و سہن، اس کی نشست و برخاست، اس کے اندازِ گفتگو اور اس کے مظاہرِ زندگی کو دیکھ کر یہ اندازہ کرنا مشکل ہو جاتا ہے کہ یہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا اُمتی ہے یا کسی یہودی و عیسائی اور کسی خدا بیزار قوم کا فرد ہے۔ اپنے نبی رحمت ﷺ سے ایسی بے وفائی و احسان فراموشی کا نتیجہ ہے کہ انفرادی طور پر ہر شخص کا ذہنی سکون غارت ہو چکا ہے اور اجتماعی طور پر ذلت و خواری ان کا مقدر بن چکی ہے:

خرما نتواں یافت ازیں خار کہ کشتیم  
دینا نتواں بافت ازیں پشم کہ رشتیم

دوسرا سبق: ہمیں اس سے یہ ملتا ہے کہ: جب آنحضرت ﷺ کی تشریف آوری کے بعد حضراتِ انبیاء کرام علیہم السلام کی شریعتیں بھی منسوخ ہو گئیں، تو آپ ﷺ کے کسی نقال اور کسی جھوٹے مدعی نبوت کی پیروی کی گنجائش کب رہ جاتی ہے؟ اور اگر دورہٴ محمدی ﷺ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیروی بھی گمراہی و ضلالت ہے تو کسی مسئلہٴ پنجاب اور اسود قادیان کی پیروی کے جہالت و حماقت ہونے میں کیا شبہ رہ سکتا ہے؟

تیسرا سبق: ہمیں یہ ملتا ہے کہ جب آنحضرت ﷺ کے بعد انبیاء گزشتہ کی سنتوں اور طریقوں کو اختیار کرنے کی بھی گنجائش نہیں تو بعد کے کسی انسان کی خود تراشیدہ خواہشات و بدعات کو اپنانے کی کیا گنجائش رہ جاتی ہے؟ یہی وجہ ہے کہ دین کے نام پر خود تراشیدہ رسوم و بدعات کی سخت مذمت کی گئی ہے اور ضلالت و گمراہی فرمایا گیا ہے۔ حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: ایک دن نماز سے فارغ ہو کر آنحضرت ﷺ نے ہمیں ایسا بلیغ و عظم فرمایا، جس سے آنکھوں سے سیلِ اشک رواں ہو گئے اور دل تھر تھرا گئے۔ ایک شخص نے عرض کیا: یا رسول اللہ! یہ تو ایسا وعظ فرمایا، گویا آپ ہمیں رخصت فرما رہے ہیں، اس لیے ہمیں کوئی خصوصی وصیت فرمائیے، ارشاد ہوا:

”أوصيكم بتقوى الله والسمع والطاعة، وإن كان عبداً حبشياً، فإنه من

يعيش منكم بعدي فسيراً اختلافاً كثيراً، فعليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين المهديين، تمسكوا بها، وعضوا عليها بالنواجذ، وإياكم ومحدثات الأمور، فإن كل محدثة بدعة وكل بدعة ضلالة.“ (مشکوٰۃ ص: ۳۰)

ترجمہ: ”میں تمہیں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنے کی اور امیر کی سمع و طاعت بجالانے کی وصیت کرتا ہوں، خواہ وہ حبشی غلام ہو، کیونکہ تم میں سے جو شخص میرے بعد زندہ رہا، وہ بہت سے اختلافات دیکھے گا، پس میری سنت کو اور خلفائے راشدینؓ کی سنت کو لازم پکڑنا اور دانتوں کی کچلیوں سے مضبوط تھام لینا اور جو نئے امور دین میں اختراع کیے جائیں ان سے بچتے رہنا، کیونکہ ہر ایسی ایجاد تو بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔“

اکابر امت فرماتے ہیں کہ: دین میں کسی نئی بدعت کی ایجاد در پردہ رسالتِ محمدیہ (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیمات) کی تنقیص ہے، کیونکہ بدعت کے ایجاد کرنے والا گویا یہ دعویٰ کرتا ہے کہ اس کی ایجاد کردہ بدعت کے بغیر دین نامکمل ہے اور یہ کہ نعوذ باللہ! خدا اور رسول ﷺ کی نظر وہاں تک نہیں پہنچی، جہاں اس بدعت پرست کی پہنچی ہے، یہی وجہ ہے کہ بدعت کے ایجاد کرنے کو دینِ اسلام کے منہدم کر دینے سے تعبیر فرمایا، حدیث میں ہے:

”مَنْ وَقَّرَ صَاحِبَ بَدْعَةٍ فَقَدْ أَعَانَ عَلَى هَدْمِ الْإِسْلَامِ.“ (مشکوٰۃ ص: ۳۱)

ترجمہ: ”جس شخص نے کسی بدعتی کی تعظیم و توقیر کی، اس نے اسلام کے منہدم کرنے پر مدد کی۔“

ان ضروری امور کی وضاحت کے بعد اب ”برکاتِ سنت“ کو بیان کرتا ہوں، لیکن یہ عرض کر دینا ضروری ہے کہ ”برکاتِ سنت“ بے شمار ہیں، ان کا احاطہ ممکن نہیں، یہاں بطور نمونہ چند امور کو بیان کر سکوں گا:

### محبوبیتِ خداوندی

اتباعِ سنت کی سب سے اہم برکت یہ ہے کہ اس کی بدولت آدمی اللہ تعالیٰ کی نظر میں محبوب ہو جاتا ہے، قرآن کریم میں ہے:

”قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ.“ (آل عمران: ۳۱)

ترجمہ: ”آپ فرمادیجئے کہ اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو میرا اتباع کرو، خدا تعالیٰ تم سے محبت کرنے لگیں گے اور تمہارے سب گناہوں کو معاف کر دیں گے اور اللہ تعالیٰ بڑے معاف کرنے والے بڑے عنایت فرمانے والے ہیں۔“

حضرت شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ اس کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں:

”یعنی اگر دنیا میں آج کسی شخص کو اپنے مالک حقیقی کی محبت کا دعویٰ یا خیال ہو تو لازم ہے کہ اس کو اتباع محمدی (ﷺ) کی کسوٹی پر کس کر دیکھ لے، سب کھرا کھوٹا معلوم ہو جائے گا۔ جو شخص جس قدر حبیبِ خدا محمد رسول اللہ (ﷺ) کی راہ چلتا، آپ (ﷺ) کی لائی ہوئی روشنی کو مشعلِ راہ بناتا ہے، اسی قدر سمجھنا چاہیے کہ خدا کی محبت کے دعویٰ میں سچا اور کھرا ہے اور جتنا اس دعویٰ میں سچا ہوگا، اتنا ہی حضور (ﷺ) کی پیروی میں مضبوط و مستعد پایا جائے گا، جس کا پھل یہ ملے گا کہ حق تعالیٰ اس سے محبت کرنے لگے گا اور اللہ تعالیٰ کی محبت اور حضور (ﷺ) کے اتباع کی برکت سے پچھلے گناہ معاف ہو جائیں گے اور آئندہ طرح طرح کی ظاہری و باطنی مہربانیاں مبذول ہوں گی۔“

اتباع نبوی (ﷺ) کی برکت سے حق تعالیٰ شانہ کی محبت و محبوبیت حاصل ہونے کا راز یہ ہے کہ آنحضرت (ﷺ) محبوب رب العالمین ہیں۔ جو شخص بھی آنحضرت (ﷺ) کی شکل و شباهت، آپ (ﷺ) کے اخلاق و اعمال اور آپ (ﷺ) کی سیرت و کردار کو اپنائے گا، وہ اللہ تعالیٰ کی نظر میں محبوب ہو جائے گا، کیونکہ محبوب کی ادائیں بھی محبوب ہوتی ہیں۔

دوسرے: یہ کہ آپ (ﷺ) کی ہر ہر ادا اور آپ (ﷺ) کا ہر قول و عمل منشا الہی کے سانچے میں ڈھلا ہوا تھا، گویا اگر کوئی شخص رضائے الہی کو مجسم شکل میں دیکھنا چاہتا ہو، وہ آنحضرت (ﷺ) کو دیکھ لے، یہی وجہ ہے کہ آپ (ﷺ) کی اطاعت کو عین اطاعتِ خداوندی قرار دیا گیا، چنانچہ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

”مَنْ يُطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ وَمَنْ تَوَلَّىٰ فَمَا أَرْسَلْنَاكَ عَلَيْهِمْ حَفِيظًا۔“ (النساء: ۸۰)

ترجمہ: ”جس نے حکم مانا رسول کا، اس نے حکم مانا اللہ کا، اور جو اُلٹا پھرتا تو ہم نے تجھ کو نہیں بھیجا ان پر نگہبان۔“

پس جب آپ (ﷺ) کی سنت، رضائے الہی کا معیار ہوئی اور آپ (ﷺ) کی اطاعت عین اطاعتِ خداوندی قرار پائی تو جو شخص بھی آپ (ﷺ) کی سنت اور آپ (ﷺ) کے مبارک طریقوں کو اپنائے گا اور جو شخص بھی آپ (ﷺ) کی معین کردہ شاہراہِ عمل پر گامزن ہوگا، وہ رضائے الہی کا مورد ہوگا اور ”رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ“ کی بشارت سے سرفراز ہوگا۔ یہ اُمتِ محمدیہ (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیمات) کی انتہائی سعادت و خوش بختی ہے کہ انہیں آنحضرت (ﷺ) کی پیروی سے محبوبیت و رضائے الہی کا مقام میسر آ سکتا ہے۔

گوئے توفیق و سعادت در میان افکنده اند  
کس بمیدان در نمی آید سواراں را چہ شد

یہاں یہ نکتہ بھی فراموش نہیں کرنا چاہیے کہ محبت دو طرفہ چیز ہے، پس جو شخص اللہ تعالیٰ کا محبوب ہوگا وہ محب بھی ہوگا، جیسا کہ ارشاد ہوا ہے:

”يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ“، یعنی ”اللہ تعالیٰ ان سے محبت رکھتا ہے اور وہ اللہ سے محبت رکھتے ہیں۔“  
گویا محبوب رب العالمین ﷺ کی سنت کو اختیار کرنے والے کو دو انعام عطا ہوتے ہیں: ایک یہ کہ: اللہ تعالیٰ کا محبوب بن جاتا ہے اور دوسرے یہ کہ: اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ”محب صادق“ ہونے کی سند عطا کی جاتی ہے۔ یہ دونوں کتنے بڑے انعام ہیں؟ اس کی قدر کسی عاشق صادق سے پوچھئے، حضرت اقدس عارف باللہ ڈاکٹر عبدالحی عارفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

جب کبھی شوریدگانِ عشق کا ہوتا ہے ذکر  
اے زہے قسمت! کہ ان کو یاد آ جاتا ہوں میں

### معیتِ نبوی ﷺ

اتباعِ سنت کی ایک برکت یہ ہے کہ ایسے شخص کو جنت میں آنحضرت ﷺ کی معیت نصیب ہوگی، آنحضرت ﷺ نے اپنے خادم خاص حضرت انس رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا:

”یا بنی! إن قدرت أن تصبح وتمسي وليس في قلبك غش لأحد فافعل، ثم قال: يا بنی! وذلك من سنتي، ومن أحب سنتي فقد أحبني ومن أحبني كان معي في الجنة.“ (مشکوٰۃ ج: ۳۰)

ترجمہ: ”اے بیٹا! اگر تو اس پر قادر ہو کہ ایسی حالت میں صبح و شام کرے کہ تیرے دل میں کسی کی جانب سے میل نہ ہو تو ضرور ایسا کر، پھر فرمایا: اے بیٹا! اور یہ میری سنت میں سے ہے اور جس نے میری سنت سے محبت کی، اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے مجھ سے محبت کی، وہ جنت میں میرے ساتھ ہوگا۔“

اس حدیث پاک میں سنتِ نبوی ﷺ کو محبوب و مرغوب رکھنے والے کے لیے متعدد انعامات کی بشارت ہے۔

ایک: یہ کہ ایسے شخص کا نام آنحضرت ﷺ کے عاشق و محبین میں لکھا جائے گا، گویا ”عشقِ رسول“ کا معیار ہی ”سنتِ نبوی ﷺ“ سے محبت ہے، جو شخص جس قدر توجہ سنت ہوگا، اسی قدر عشقِ رسالت میں اس کا مقام بلند ہوگا اور جو شخص جس قدر سنتِ نبوی کی پیروی سے محروم ہوگا، اسی قدر ”عشقِ نبوی“ سے بے نصیب ہوگا۔

دوسرے: یہ کہ اتباعِ سنت پر صادق مصدوق ﷺ نے جنت کا وعدہ فرمایا ہے اور یہ ایسا وعدہ ہے جس



میں تَخَلُّف کا کوئی امکان نہیں، پس عشق و محبت کے ساتھ سنت نبوی کی پیروی جنت کا ٹکٹ ہے۔

تیسرا انعام: جو تمام انعامات سے مزید تر ہے، یہ ہے کہ ایسے شخص کو جنت میں آنحضرت ﷺ کی رفاقت و معیت نصیب ہوگی اور یہ مضمون قرآن کریم میں بھی منصوص ہے، چنانچہ ارشاد خداوندی ہے:

”مَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَأُولَٰئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ وَحَسُنَ أُولَٰئِكَ رَفِيقًا ۚ ذَٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللَّهِ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ عِلْمًا“ (النساء: ۶۹)

ترجمہ: ”اور جو کوئی حکم مانے اللہ کا اور اس کے رسول کا، سو وہ ان کے ساتھ ہیں جن پر اللہ نے انعام فرمایا کہ وہ نبی اور صدیق اور شہید اور نیک بخت ہیں اور اچھی ہے ان کی رفاقت۔ یہ فضل ہے اللہ کی طرف سے اور اللہ کافی ہے جاننے والا۔“

اس نعمت کبریٰ اور دولت عظمیٰ سے بڑھ کر کوئی نعمت ہو سکتی ہے کہ کسی خوش بخت کو سرور کو نین ﷺ اور دیگر انبیاء علیہم السلام، صدیقین، شہداء اور صالحین کی صحبت و رفاقت میسر آ جائے۔

### سوشہید کا مرتبہ

شہید فی سبیل اللہ کا مقام کتنا بلند ہے؟ اور اسے کس قدر انعامات سے نوازا جاتا ہے؟ قرآن کریم اور احادیث نبویہ (ﷺ) میں اس کی تفصیل موجود ہے، لیکن ”سنت نبوی ﷺ“ پر مضبوطی کے ساتھ عمل کرنے والے کو سوشہید کا مرتبہ عطا کیا جاتا ہے، حدیث شریف میں ہے:

”مَنْ تَمَسَّكَ بِسُنَّتِي عِنْدَ فُسَادِ أُمَّتِي، فَلَهُ أَجْرُ مِائَةِ شَهِيدٍ.“ (مشکوٰۃ ص: ۳۰)

ترجمہ: ”جس شخص نے میری سنت کو مضبوطی سے تھامے رکھا میری امت کے بگاڑ کے وقت اس کے لیے سوشہید کا اجر ہے۔“

یہ حدیث متعدد فوائد پر مشتمل ہے:

ایک: یہ کہ اس میں امت کے عمومی بگاڑ کی پیشین گوئی فرمائی گئی ہے۔ ”عمومی بگاڑ“ کا لفظ میں نے اس لیے کہا کہ لاکھ دو لاکھ آدمیوں کی جماعت میں اگر سو پچاس آدمی بگڑے ہوئے ہوں تو اس بگاڑ کو پوری جماعت کی طرف منسوب نہیں کیا جاتا۔ یہاں آنحضرت ﷺ نے ”فساد امت“ کا لفظ استعمال فرمایا ہے، جس میں اس طرف اشارہ ہے کہ امت کی اکثریت میں فساد آئے گا، کہیں عقائد کا بگاڑ ہوگا، کہیں اعمال کا، کہیں اخلاق کا، کہیں معاملات اور معاشرت کا بگاڑ ہوگا، آج امت کے مجموعی حالات پر نظر ڈالی جائے تو ”فساد امتی“ کا نقشہ سامنے آ جاتا ہے۔

دوم: یہ کہ امت کا یہ بگاڑ ترک سنت کی وجہ سے ہوگا، یعنی امت، آنحضرت ﷺ والے اعمال اور اخلاق و آداب کو چھوڑ کر گمراہ قوموں کے نقش قدم پر چل پڑے گی اور یہی چیز اس کے عالمگیر فساد کا سبب بن جائے گی۔

یہ امت غیر قوموں کی تقلید کے لیے وجود میں نہیں لائی گئی، بلکہ اقوام عالم کی امامت و قیادت کا تاج اس کے سر پر رکھا گیا تھا، اور وہ امامت و قیادت کے منصب پر اسی وقت تک فائز رہے گی، جب تک وہ خود اپنے نبی الرحمت ﷺ کی مقتدی ہو، آپ ﷺ کے نقش قدم کی پابند ہو اور آپ ﷺ کی لائی ہوئی امانت کی نگہبان و پاسبان ہو، چنانچہ ارشاد خداوندی ہے:

”كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ“  
(آل عمران: ۱۱۰)

ترجمہ: ”تم ہو بہتر سب امتوں سے جو بھیجی گئی عالم میں، حکم کرتے ہو اچھے کاموں کا اور منع کرتے ہو برے کاموں سے اور ایمان لاتے ہو اللہ پر۔“  
(ترجمہ حضرت شیخ الہند)

افسوس ہے کہ قرآن کریم نے ”خیر امت“ کے جو اوصاف و خصوصیات اس آیت کریمہ میں بیان فرمائے ہیں، اپنے نبی رحمت ﷺ کی سنت و طریقہ کو چھوڑنے کی وجہ سے امت ان خصوصیات سے ہاتھ دھو بیٹھی، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اقوام عالم کی قیادت کے بجائے ان کی در یوزہ گر ہو کر رہ گئی۔ آج اس کی گراؤت و پستی کا یہ عالم ہے کہ وہ مادیات ہی میں دوسری قوموں سے بھیک نہیں مانگ رہی، بلکہ آئین و قانون، تمدن و شہریت اور اخلاق و معاشرت کے آداب بھی باہر سے درآمد کر رہی ہے، فیالی اللہ المشتکی۔

سوم: یہ کہ امت کے عمومی فساد اور بگاڑ کی فضا میں بھی ہر امتی کوتا کید فرمائی گئی ہے کہ وہ سنت نبوی ﷺ سے تمسک کرے اور اس کا دامن مضبوطی سے تھامے رکھے، ایسے پُر از فساد ماحول میں بھی کسی شخص کے لیے یہ کہنے کی گنجائش نہیں ہے کہ ”اجی کیا کریں؟ پورا معاشرہ ہی بگڑا ہوا ہے، ایسے ماحول میں ”سنت نبوی ﷺ“ پر عمل کیسے کریں؟“، نہیں، بلکہ چار سو ہزار فتنہ و فساد ہو، معاشرہ اور ماحول کتنا ہی بگڑا ہوا ہو، اتباع سنت کی پابندی بہر حال لازم ہے، یہ کبھی ساقط نہیں ہو سکتی، یہی وجہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے امت کے عمومی بگاڑ اور فساد کے زمانے میں بھی ”سنت“ کو مضبوطی، عزم اور حوصلہ کے ساتھ تھامنے کا حکم فرمایا ہے۔

چہارم: یہ کہ جو شخص ایسے فساد آمیز ماحول میں بھی ”سنت نبوی“ کو سینے سے لگائے رکھے، اس کو بشارت دی گئی ہے کہ یہ قیامت کے روز سوشہیدوں کا اجر و مرتبہ پائے گا، کیونکہ شہید تو ایک مرتبہ اپنی جان عزیز کا نذرانہ بارگاہ خداوندی میں پیش کر کے سرخرو ہو جاتا ہے اور یہ شخص کا رزاق زندگی میں جہاد مسلسل کر رہا ہے، اس پر

(یعنی) بے غار کی بیڑیوں اور تہہ بہ تہہ کیلوں اور لمبے لمبے سایوں اور پانی کے جھرنوں (میں ہوں گے)۔ (قرآن کریم)

ہر طرف سے طعنوں کی بارش ہو رہی ہے، کوئی ”دقیانوسی“ کہہ رہا ہے، کوئی کٹھملا کا خطاب دے رہا ہے، کوئی ”رجعت پسند“ کی پھمکی اڑا رہا ہے۔ الغرض اس مجاہد کو ہزار طعنے برداشت کرنا پڑ رہے ہیں، جن سے اس کے قلب و جگر چھلنی ہیں، لیکن اس نے بھی ”محمد رسول اللہ ﷺ“ کی غلامی کا عہد باندھ رکھا ہے اور وہ ہر قیمت پر اس عہد کو نبھا رہا ہے، اس لیے کوئی شک نہیں کہ اس کا کارنامہ سو مجاہدوں کے برابر شمار کیے جانے کے لائق ہے، ایسا شخص مرتے وقت پوری طعنہ زن قوم کو مخاطب کر کے کہتا ہے:

میاں خوش رہو ہم دعا کر چلے  
فقیرانہ آئے صدا کر چلے

اور آنحضرت ﷺ کی بارگاہِ عالی میں عرض کرتا ہے:

جو تجھ بن نہ جینے کا کہتے تھے ہم  
سو اس عہد کو ہم وفا کر چلے

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمین

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ صفوة البریة محمد وآلہ وأصحابہ وأتباعہ أجمعین

..... ❁ ..... ❁ ..... ❁ .....